پان اسلام ازم اور پاکستان*

جمال الدین افغانی اور عرب رهنما

(۱)

رشید احمد (جالندھری)

ترجمه : احمد بشیر

موجوده دور میں مسلم ممالک کے مابین اتحاد کا تصور ہر مسلمان کا سنہرا خواب رہا ہے - خاص طور پر انیسویں صدی کے آخری چوتھائی میں جب مسلمان حکومتیں یکے بعد دیگرے مغرب کے تسلط و تغلب کا شکار ہوتی گئیں اور اپنے ہی وطن میں ذلیل و خوار ہوئیں، اس اتحاد کی ضرورت زیادہ محسوس ہونے لگی۔ لیکن اتحاد بین المسلمین یا مغربی اصطلاح کے مطابق ''پان اسلام ازم،، کا مطلب کیا ہے ؟ کیا اس سے مراد سیاسی اتحاد ہے ؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر یہ اتحاد کس مقصد کے لئے ہے اور کس کے خلاف ؟

اصل مسئلہ پر بحث سے پیشتر اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ مغربی سامراج نے مسلمانوں کے اس خواب کا خوب استحصال کیا ہے - اور اسے مسلمانوں کے خلاف اپنی جارحانہ کاروائیوں کا جواز بنایا ہے - پان اسلام ازم کو پہلے اس نے ایک رجعت پسندانہ اور تنگ نظریہ کی حامل، مذہبی جنون پر مبنی جارحانہ تحریک قرار دیا پھر اس بہانے جہاں کہیں بھی آزادی

---

* یہ مقالہ جنوری ۱۹۷۵ میں قائداعظم یونیورسٹی' اسلام آباد کے شعبۂ پاکستانیات ، میں پڑھا گیا تھا بعد میں یونیورسٹی کے سہ ماہی مجلہ 'Scrutiny' (دسمبر ۱۹۷۵) میں شائع ہوا- پہلی قسط میں جمال الدین افغانی کے افکار کا جائزہ لیا گیا ہے ، اس کے بعد سامراج کی سازشوں اور عرب رہنماؤں کی مساعی کا تذکرہ ہے - دوسری قسط جو ابھی سپرد قلم نہیں کی جاسکی ، مسلم وحدت اور پاکستان سے تعلق رکھتی ہے' موجودہ حالات میں ہمارے لئے مسلم وحدت کو بطور نصب العین اختیار کرنا ازبس ضروری ہوگیا ہے ، اس لئے ہم اس کا اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں -

کے علم بردار اور مصلحین اٹھے، انھیں کچل کے رکھ دیا۔ یہ مسلم دشمنی حکمرانوں تک ھی محدود نہ تھی بلکہ بعض مستشرقین اور نام نہاد سکالروں نے بھی مسلمانوں اور مغربی عوام کے مابین غلط فہمیاں پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انھوں نے پان اسلام ازم کو ایسے رنگ میں پیش کیا کہ مغربی عوام سہم گئے۔ ان کے دل میں یہ وھم سما گیا کہ مسلمان ایک وحشی قوم ھیں جنھوں نے لندن اور پیرس پر چڑھائی کی ٹھان رکھی ھے۔ اسلام کی ایسی بھیانک تصویر پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مشرق کے خلاف مغربی سامراج کی وحشیانہ کاروائیوں کو حق بجانب قرار دیا جا سکے۔ لارڈ کرومر (Cromer) نے ۱۹۰۶ میں مصر کے سیاسی انتظام سے متعلق برطانوی حکومت کو جو رپورٹ پیش کی اس میں یہ لکھا: ''پان اسلام ازم کا عام طور پر یہ مطلب لیا جاتا ھے کہ دنیا کے سارے مسلمانوں کو متحد کر کے عیسائی طاقتوں کا مقابلہ کیا جائے۔

دوم۔ یہ ایک آسان اصطلاح ھے جس سے بہت سے مفہوم وابستہ ھیں اور جو اس کے بنیادی مقصد سے متعلق ھیں۔

سوم۔ اس سے یہ بھی مراد ھے کہ اسلام کا خالص اسلامی بنیادوں پر پھر سے احیاء کیا جائے۔

دوسرے الفاظ میں، ان دقیانوسی اصولوں کی تجدید کی جائے جو ایک ہزار سال پہلے ایک غیر مہذب معاشرے کی رھنمائی کے لئے وضع کیئے گئے تھے۔'' (۱)

پروفیسر ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ (D.S. Morgoliouth) نے اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ھوئے لکھا ھے: ''خوف و ھراس پھیلانے والے ان یورپینوں کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ھے کہ ہزار سال یا اس سے بھی زائد عرصہ سے اسلام کبھی بھی اپنے دشمنوں کے خلاف متحدہ محاذ نہیں بنا سکا۔ اس لئے اس خیال کو ایک واھمہ سمجھ کر مسترد کر دینا چاھئے۔ وہ مسلمان جو ایشیا اور

افریقه سے یورپینوں کے اخراج کو پسند کریں گے غالباً وہ لوگ هیں جو فقیہوں کے پیش کردہ اسلام سے مجنونانه طور پر رغبت رکھتے هیں ..... وہ لوگ جو تہذیب و تمدن کی سہولتیوں سے زبر دستی منقطع ہو جاتے هیں ان سے کیسا خوف ؟ ،،(۲)

ان بیانات میں جو مغالطه هے اسے رفع کرنے کی ضرورت نہیں۔ یه موجودہ تاریخ کی ستم ظریفی هے که تہذیب و تمدن کی دعویدار حکومتوں نے جو 'جمہوریت'، 'ترقی' اور 'انسانیت' کی علمبردار ہونے کے بہت بلند بانگ دعوے کرتی رهی هیں، مشرق کے عوام کو ان کے اپنے هی وطن میں بنیادی حقوق سے محروم کردیا ۔ دراصل بقول ایک مغربی مصنف : یه اقوام کی بد قسمتی هے که سقراط زندہ نہیں هے، اور نه هی اس نے اپنا جانشین چھوڑا هے جو سیاستدانوں اور اخبار نویسوں سے یه پوچھے که وہ 'آزادی' اور 'جمہوریت' کا صحیح مفہوم کیا لیتے هیں۔ (۲ الف)

پان اسلام ازم اور جمال الدین افغانی :

حالیه تاریخ میں افغانی مسلم معاشرے کی متحرک ترین شخصیت گزرے هیں، جو پچھلی صدی میں پیدا ہوئے ۔ انہوں نے اپنے قول اور فعل سے یه ثابت کردیا که وہ مغربی استعمار کی غلامی سے نه صرف مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں کی آزادی کے لئے بے تاب تھے بلکه وہ مشرق کی جمله اقوام کو خود مختار دیکھنے کے متمنی تھے۔ موجودہ دور میں شاید وہ پہلی شخصیت تھے جن کا پیغام آزادی مشرق کی کسی ایک قوم یا ملک تک محدود نہیں تھا۔ ان کی سیاسی بصیرت مذهب، زبان، نسل اور رنگ کی کسی پابندی سے متاثر نہیں تھی۔ یه درست هے که انہوں نے مسلمانوں کی طرف خصوصی توجه دی اور مغرب کے خلاف ان کا متحدہ محاذ قائم کرنے کی سعی کی، تا هم اس بات سے ایک آزاد خود مختار مشرق کے متعلق ان کے نظریات پر حرف نہیں آتا۔

چونکہ وہ ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے تھے، عربی اور فارسی بولتے تھے اس لئے لازماً ان کے پہلے مخاطب وہی لوگ تھے جو ان کے ہم مذہب، ہم وطن اور ہم زبان تھے۔

افغانی ایک ممتاز عالم تھے۔ اسلام کے کلاسیکی علوم پر انہیں حیرت انگیز عبور حاصل تھا۔ ان کے شاگرد مفتی محمد عبدہ کے بقول وہ ایک صوفی فلسفی تھے۔ ان کے سیاسی خیالات علوم اسلامیہ کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ تھے۔ اسلام میں آزادئ انسان کا تصور بہت بلند ہے جو مذہب، رنگ اور نسل سے ماوراء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افغانی نے اپنی زندگی مشرقی اقوام کی خدمت کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے لئے بالخصوص وقف کر دی۔ انہوں نے پوری زندگی غربت میں بسر کی اور اسی میں جان دی۔ جرأت اور ایثار کی بلند مثال کے سوا یا اپنے شاگردوں سے مکالمات اور مباحث کے علاوہ کوئی چیز ترکہ میں نہیں چھوڑی۔ ان شاگردوں نے افلاطون کی طرح اپنے عظیم استاد کے پیغام کو عام کیا۔

مسلم اتحاد۔ کیوں اور کس کے خلاف؟

فی الحال ہم اس بحث کو افغانی کے ان افکار اور نظریات تک محدود رکھیں گے جن کا تعلق مسلمانوں کے امور سے ہے۔ جہانتک آزاد و خود مختار مشرق سے متعلق انکے خیالات کا تعلق ہے، انہوں نے لکھا ہے: ”میں نے اپنے دماغ کی تمام تر قوتوں کو مشرق کے روگ کی تشخیص اور اسکا علاج دریافت کرنے میں صرف کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ مشرق کا مہلک ترین مرض اسکی اقوام میں نا اتفاقی اور بدنظمی ہے۔ ان کے افکار میں پراگندگی ہے، وہ نا اتفاقی پر متفق اور اتفاق پر غیر متفق ہیں۔ چنانچہ میں نے ان کی آواز میں یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہیں مغرب کے خطرہ سے خبردار کیا جو انہیں محاصرے میں لے رہا تھا۔،، (۳) ہم ان کی سرگرمیوں کے اس پہلو پر ایک الگ مضمون میں روشنی ڈالیں گے۔

افغانی اقوام کی تاریخ اور انکے عروج و زوال پر گہری نظر رکھتے تھے۔ لہذا جب ہم انہیں زندگی کے حقائق کا جو انسانی تاریخ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں ، اعتراف و اقرار کرتے دیکھتے ہیں تو ہمیں حیرت نہیں ہوتی۔ ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مذہب کے علاوہ زبان ، نسل اور وطن کی یکسانیت بھی تاریخ کو ایک خاص سمت میں چلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس بنا پر افغانی کی یہ رائے تھی کہ ان ممالک کو ، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، مغرب کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنا چاہئے۔ اس متحدہ محاذ کو آجکل کے محاورے میں کنفیڈریشن کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کی رائے تھی کہ صرف یہ نظام ہی مسلم اقوام کو متحد کرنے میں کارگر ہو سکتا ہے ۔ چناچہ انہوں نے مسلمان قوموں کو وحدانی نظام حکومت کا جس میں سارے انتظامی امور کا ارتکاز ہو، کبھی مشورہ نہیں دیا اور اس بات کی ایسے شخص سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی جس کی نظر تاریخ عالم پر بالعموم اور مسلم اقوام کے مسائل پر بالخصوص رہی ہو۔

ان کی رائے میں مسلم ریاستیں اپنے ذاتی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے بغیر مغرب کے خلاف متحدہ محاذ بنا سکتی ہیں۔ چونکہ مسلمان قرآن مجید کے الہامی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے انہیں باہمی اختلافات قرآنی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے چاہیں ، مسلمان حکمرانوں کو اس قسم کے اتحاد (کنفیڈریشن) کی دعوت دیتے ہوئے افغانی لکھتے ہیں: ''پشاور سے ادرنہ (ترکیہ) تک مسلمان ریاستیں مذہب، جغرافیہ اور قرآن کی رو سے ایک ہیں، ان کی آبادی پانچ کروڑ سے (اس زمانے میں) کم نہیں ۔ جرأت اور بہادری ان کے نمایاں اوصاف ہیں۔ کیا انہیں دوسری اقوام کی طرح اپنے دفاع اور تقدیم کے لئے متحد ہونے کا کوئی حق نہیں؟ . . . . اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ تمام اختیارت ایک شخص کو سونپ دیئے جائیں کیونکہ یہ مشکل امر ہے لیکن میری یہ خواہش ضرور ہے کہ قرآن ان کے مابین حَکَم اور مذہب ان کے اتحاد

کا آخری مقصود ہو اور ہر ملک کے صاحب اختیار شخص کو اپنے ہمسایوں کی حفاظت کی پوری کوشش کرنی چاہئے کیونکہ اس کی اپنی زندگی اور بقا ان پر منحصر ہے، یہ تعاون جو موجودہ وقت میں قانون ضرورت (Law of Necessity) کا تقاضا اور قوت حاجت (Force of Need) کا امر ہے، ان کے مذہب کی بنیاد بھی ہے، یہی ساعت باہمی سمجھوتے کی ہے ،، (۴)

مسلمان فرمانرواؤں کو اتحاد کی تلقین کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:
،،ہمیں امید ہے کہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والا پہلا نعرہ ان کی طرف سے بلند ہوگا جو اپنے مقام اور طاقت کے لحاظ سے ان سب میں ممتاز ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اس کار خیر میں علماء سب سے بڑھ کر حصہ لیں گے،، (۵)

ظاہر ہے کہ افغانی کا پان اسلام ازم کا تصور کسی مذہبی گروہ، فرقہ یا امن پسند قوم کے خلاف نہیں تھا۔ یہ صرف استعمار پسند طاقتوں کے خلاف تھا، جنہوں نے اقوام مشرق (جن میں اکثریت مسلمانوں کی تھی) کی آزادی کو پامال اور غصب کیا تھا۔ لہذا کرومر کا یہ الزام کہ پان اسلام ازم عیسائیوں کے خلاف تھا، بالکل بے بنیاد ہے۔ دراصل کرومر اور ان کے ہم خیال لوگوں نے عیسائیت کو استعمار سے مترادف قرار دے کر اسے سخت نقصان پہنچایا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مذہب خواہ وہ ہندومت ہو، یا عیسائیت یا بدھ مت ہو، یا اسلام، استعمار کے حق میں نہیں۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ افغانی کے پیروکاروں میں عیسائی اور یہودی بھی شامل تھے۔ ادیب اسحاق شام کے عیسائی تھے جبکہ ابن صنوع مصری یہودی تھے۔ یہ دونوں اخبار نویس تھے اور انہوں نے افغانی کے پیغام کو عام کیا۔ جب افغانی پیرس پہنچے تو ابن صنوع نے انہیں مشرق کے ایک عظیم فلسفی کی حیثیت سے فرانسیسیوں سے متعارف کرایا۔

مغرب کے دلدادہ مصری حکمران افغانی اور ابن صنوع سے خوش نہیں تھے اور انہوں نے ابن صنوع کو مصر بدر کر دیا۔ وہ پیرس چلا گیا جہاں

اس نے اپنا ایک رسالہ نکالا جس میں اس نے افغانی کا پروپیگنڈا کیا۔ ان مثالوں سے یہود و نصاریٰ سے افغانی کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ جب ادیب اسحاق نو عمری میں فوت ہو گیا تو افغانی کو اس کا بہت رنج ہوا اور انہوں نے کہا: ''اس کی موت سے ہم افسردہ اور چشم پرنم ہیں۔ انا للہ وا نا الیہ راجعون،، یہ بات قابل ذکر ہے کہ حال ہی میں مصر نے ادیب اور ابن صنوع دونوں کی قومی خدمات کا سرکاری طور پر اعتراف کیا ہے۔ (۶)

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ افغانی کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی بھی آیا جب انہیں دنیا کے عظیم مذاہب میں اتحاد پیدا کرنے کا خیال آیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے بنیادی اصول اور مقاصد ایک ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں نہ کہ مخالفت۔ لیکن بعد میں انہیں یہ احساس ہوا کہ یہ ناقابل عمل ہے کیونکہ مذہبی پیشوا آپس کے شدید اختلافات کو بہت ہوا دے چکے ہیں۔(۷) نیز افغانی کو سیاسی زندگی کی مصروفیات نے اس طرف زیادہ توجہ دینے کی سہلت نہ دی۔ بہر حال ان کے شاگرد مفتی محمد عبدہ نے شام میں اپنے قیام کے دوران اتحاد بین المذاہب کے لئے کام کیا۔

شروع میں عثمانی سلطنت کے تاجدار سلطان عبد الحمید کو افغانی کی تائید حاصل تھی۔ سلطان نے بعض ذاتی اغراض کی بنا پر پان اسلام ازم کا چرچا کیا تھا۔ لیکن زندگی کے آخری ایام میں سلطان سے افغانی کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ سلطان عبد الحمید ایک آمر بادشاہ تھے*۔ افغانی در اصل بادشاہ کے صرف اس حد تک مؤید تھے کہ وہ سلطان کے ذریعہ سے خلافت کے ڈھانچے میں، جسکا ماضی شاندار اور روایات تابندہ تھیں، اصلاح کرکے دستوری بنیادوں پر مستحکم بنانے کے خواہشمند تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ خلافت کو بہر صورت برقرار رکھا جائے، کیونکہ وہ عالم اسلامی کے اتحاد کی علامت تھی۔ انہوں نے سلطان پر زور دیا کہ وہ برطانوی استعمار کے خلاف سخت رویہ اختیار کریں

* اسی لئے ہماری رائے یہ ہے کہ افغانی نے سلطان پر اعتماد کرکے سیاسی غلطی کی تھی۔

اور سیاسی اختیارات مستعد اور قابل آدمیوں کو سونپ دیں۔

نیز حق خود اختیاری کی بنا پر سلطنت کے دور افتادہ علاقوں کی تنظیم نو کریں ۔ مثال کے طور پر انہوں نے کہا کہ سلطان مصر میں اپنے قانونی حق کو جسے انگریزوں نے غصب کر لیا تھا، دوبارہ حاصل کریں۔ لیکن ساتھ ھی مصر میں اولوالعزم آدمیوں کو منتخب کرکے زمام کار انہیں دے دیں۔ تاکہ وہ ایک خود مختار حکومت بنا سکیں۔

افغانی سلطان پر اس وقت سخت معترض ہوئے جب انہوں نے ایک شاھی فرمان کے ذریعے انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کی بنا پر عرابی پاشا پر بغاوت کا الزام لگایا۔ سلطان کے اس ناروا فعل پر اظہار رائے کرتے ہوئے افغانی لکھتے ھیں :۔ ’’خلافت عثمانیہ کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ عرابی پاشا کے خلاف اس سرکاری فرمان نے مصر میں انگریزوں کے داخلہ کا راستہ صاف کر دیا ھے۔ اسے یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ مصر سلطنت عثمانیہ کا ایک اھم حصہ ھے۔ اسے آسٹریا کی جوع الارضی سے غافل رہنا چاہیے نہ روس کی حریصانہ نگاہ اور فرانس کے مشکوک عزائم سے،،(۸) اس سے یہ بات عیاں ھے کہ مسلم دنیا میں حالات کے اس ناگوار موڑ سے افغانی کتنے مضطرب تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی خدمت کی انتہائی کوشش کی لیکن چند علماء جن کا سلطان پر روحانی اثر تھا، سلطان اور اس عظیم مسلم مفکر کے مابین غلط فہمیاں پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور افغانی کا اتحاد اسلامی کا خواب پریشان ہوگیا۔ انگریز افغانی کے خلاف کاروائیوں میں پیش پیش تھے۔ ھندوستان سے تو انہیں از خود نکال دیا اور مصر اور ایران سے اپنے کٹ پتلی حکمرانوں کے ذریعہ نکلوا دیا۔ ان حالات نے افغانی میں تلخی پیدا کردی تھی اور ایک دفعہ انھوں نے رنج و اندوہ سے کہا تھا،، مسلمانوں کے پاس شہوت رانی کے سوا کچھ بھی نہیں رہا،،۔(۹) تاھم انہیں مشرقی افق سے ایک نئی اور روشن صبح صادق کے طلوع کا پورا یقین تھا۔

افغانی کے افکار

ذیل میں افغانی کے افکار کو اختصار سے پیش کیا جاتا ہے :-

۱ - سامراجی طاقتوں کے استیلاء سے مسلم اور عرب ممالک کو بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے ممالک کے غیر مسلم عناصر سے ملکر متحدہ جدوجہد کریں - افغانستان، ایران، مصر اور خلافت عثمانیہ کے فرمانرواؤں اور عوام سے اتحاد کی اپیلوں کو آج کل کی اصطلاح میں ایک کنفیڈریشن کے قیام کی دعوت سے موسوم کیا جا سکتا ہے - (۱۰) لیکن مغرب کی استعمار پسند حکومتوں نے ان کی اس سعی کو مشرق میں اپنے مفادات کے منافی قرار دیا - لہذا وہ اسے ہر قیمت پر ناکام بنانے پر تلے ہوئے تھے - اپنے عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ان حکومتوں نے افغانی کی اس کوشش کو پان اسلام ازم کا ھوا بنا کر پیش کیا اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی جارحیت کا جواز پیدا کیا - چونکہ مسلمان اور عرب حکومتیں اپنے دفاع کے ناقابل تھیں اس لئے چند اعتدال پسند مسلم مفکروں نے پان اسلام ازم کے متعلق غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کی - ایسا کرنے سے ان کا مدعا یہ تھا کہ مسلم ممالک کے خلاف مغربی جارحیت کا جواز ختم کیا جائے - اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے مصر کے احمد لطفی سید لکھتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں میں کہیں بھی اتفاق نظر نہیں آیا - اس کے برعکس انہیں ہر جگہ نا اتفاقی نظر آئی - البتہ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مغرب کی استعماری طاقتیں (جن کا نظام زندگی اور مزاج ان سے مختلف ہے) مشرق وسطیٰ کے ممالک کے خلاف باہم متحد و متفق ہیں تو ان کے دل میں بھی لازمی طور پر آپس میں ایسے اتحاد اور اتفاق کی خواہش پیدا ہوتی ہے -(۱۰ اے) بالفاظ دیگر لطفی سید کا کہنا یہ تھا کہ مسلمانوں میں اتحاد کا خیال خود مغربی طاقتوں کے رویہ سے پیدا ہوا ہے، نہ کہ مذہب کی وجہ سے جیسا کہ کرومر نے سمجھا اور پیش کیا کہ مسلمان عیسائیت کے خلاف مسلم دنیا کا متحدہ محاذ بنانا چاہتے ہیں -

۲ - افغانی نہ تو پرانے نظام تعلیم یعنی درس نظامی سے خوش تھے اور نہ ھی نئے تعلیمی نظام سے، جسے مغرب سے من و عن مستعار لیا گیا تھا۔ ''تعلیم اور طریقہ تعلیم'' کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے (کلکتہ ۸ نومبر ۱۸۸۲ء) افغانی نے فرمایا: ''علماء جو کبھی صحیح معنوں میں دانشور اور حکیم تھے آج کل فلسفہ، منطق اور لسانیات پر محض چند کتابیں پڑھنے پر اکتفا کرتے ھیں۔ انھیں نہ تو فلسفہ کا علم ھوتا ھے نہ منطق کا''۔ درس نظامی پر اعتراض کرتے ہوئے وہ کہتے ھیں: ''آج کل کے زمانے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ مثال کے طور پر صرف و نحو کا مقصد یہ ھے کہ صحیح عربی زبان لکھنے اور بولنے پر پوری قدرت حاصل ھوجائے۔ لیکن مسلمان صرف و نحو کو ذریعہ نہیں سمجھتے، مقصود بنالیتے ھیں اور سالہا سال تک قواعد کی باریک ترین تفصیلات پڑھنے کے باوجود نہ تو عربی صحیح طور پر بول سکتے ھیں، نہ لکھ سکتے ھیں بلکہ سمجھ بھی نہیں سکتے . . . یہ بات حیرت انگیز ھے کہ ھمارے علماء محض صدرا اور شمس بازغہ پڑھ کر بڑے فخر سے اپنے آپ کو فلسفی سمجھنے لگتے ھیں جب کہ وہ اپنے دائیں اور بائیں بازو میں بھی تمیز نہیں کر سکتے۔ انھوں نے کبھی اپنے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ ھم کون ھیں اور کیوں ھیں؟ ھمیں کیا ھونا چاھیے اور ھمیں کیا کرنا چاھیے؟

علاوہ ازیں، علم فقہ مدنی اور سیاسی قوانین پر مشتمل ھے۔ اور فقہ کا ماھر اپنے ملک کا وزیر اعظم یا سفیر بننے کا مستحق ھے لیکن ھمارے آج کل کے فقہیہ نہ صرف بند کواڑوں کے پیچھے لوگوں سے الگ تھلگ ھوجاتے ھیں بلکہ یوں محسوس ھوتا ھے جیسے دنیاوی امور سلجھانے میں اپنی نااھلی پر وہ فخر کرتے ھوں . . . حقیقت میں ایک صحیح عالم دین نور (کے مثل) ھے جس سے ساری دنیا روشن ھوجاتی ھے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اسے کم از کم اپنا ملک یا اپنا شہر، یا اپنا قصبہ یا گاؤں اور نہیں تو اپنا گھر ھی روشن کرنا چاھیے۔''(۱۱)

نئی تعلیم سے متعلق علماء کے خیالات کو رد کرتے ہوئے افغانی کہتے ہیں : ''سب سے عجیب چیز یہ ہے کہ علماء نے آج کل علم کو دو انواع میں تقسیم کر دیا ہے ۔ ایک کو وہ اسلامی علم سے موسوم کرتے ہیں اور دوسرے کو یورپی علم سے ۔ اسی بنا پر وہ ایک مفید علم سے اکتساب روک دیتے ہیں ۔ وہ اس چیز کو قطعاً نہیں سمجھتے کہ علم جو ایک شرف انسانی ہے، کسی خاص گروہ یا قوم سے متعلق نہیں ۔ علم کسی اور واسطے سے معلوم نہیں نہ کسی علت کا معلول ہے ، یہ ایک ایسی شے ہے جس سے اشیا کی حقیقت معلوم ہوتی ہے . . . . یہ کتنی انوکھی بات ہے کہ مسلمان علماء ان علوم کا تو بڑے ذوق ، شوق سے مطالعہ کرتے ہیں جو ارسطو سے منسوب کئے جاتے ہیں جیسے ارسطو مسلمان تھا، لیکن اگر کوئی خیال یا نظریہ گلیلو، نیوٹن یا کپلر سے متعلق ہو تو اسے کفر کہہ کر رد کردیتے ہیں . . . نئے علوم کو رد کرنے میں ان کی منطق یہ ہے کہ اس طرح وہ اسلام کو خارجی اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں ۔ لیکن وہ خود اسلام کے دشمن ہیں ۔ سب مذاہب میں سے اسلام علم کے قریب ترین اور حصول علم پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے ۔ اور اسلام اور نئے علوم کے بنیادی اصولوں میں کوئی تضاد نہیں ۔،،(۱۲)

چونکہ علماء کا معاشرے پر بہت اثر ہے اس لئے افغانی مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب انہیں گردانتے ہیں ۔،، ذہنی اضمحلال اور جمود سب سے پہلے ان کی صفوں ہی میں رونما ہوا اور پھر انہی کے ذریعے ساری قوم میں سرایت کرکے اسے تباہ کر گیا۔،، (۱۳) افغانی نے یہ محسوس کیا کہ علم اور علماء کا احترام اٹھ رہا ہے جب کہ حکمرانوں کے درباروں میں خوشامد کا فن عروج پر ہے ۔،،(۱۴)

دوسری طرف مغرب کی استعماری حکومتوں نے جو نظام تعلیم مغرب کے دلدادہ مصلحین کی تائید سے محکوم ملکوں پر نافذ کیا ، اس پر افغانی سخت معترض تھے ۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں : ''مغربی تہذیب و تمدن کے پیچھے جو فلسفہ کارفرما ہے اسے سمجھے بغیر نئی تعلیم کو رائج

کرنا مغرب کی محض کورانہ تقلید کے سوا کچھ اور نہیں - یہی وجہ ہے کہ مصر اور ترکی میں نئی تعلیم اچھے نتائج پیدا کرنے سے قاصر رہی۔ اس سے جو نتائج برآمد ہوئے وہ صرف یہ تھے کہ لوگوں میں بزدلی پیدا ہوئی، انھوں نے بیرونی حکمرانوں کے سامنے گردنیں جھکادیں اور پرانی روایات پر کاربند اور ہم وطنوں سے نفرت کرنے لگے۔ ان مقلدین نے مغرب سے آزادی ، قومیت ، اور اس قبیل کے چند اور الفاظ کے سوا جسے وہ بار بار دھراتے رہتے ہیں، کچھ نہیں سیکھا۔ انھوں نے مغربی بود و باش کی نقالی شروع کردی۔ ان کا لباس اختیار کیا اور اپنے گھروں کو مغرب سے درآمد کردہ گراں قدر فرنیچر سے آراستہ کیا۔ اس طرح انھوں نے ایک طرف ملک کی دولت کو باھر منتقل کیا، دوسری طرف اپنے ملک کی صنعتوں اور کاریگروں پر ضرب کاری لگائی۔ یہ نظام تعلیم جذبہ جہاد اور عزت نفس کا قاتل ہے،، -(۱۵)

نئی تعلیم کا مذاق اڑاتے ہوئے افغانی مزید لکھتے ہیں: ''اگر افغانستان میں بھی یہ تعلیم رائج ہوتی تو آج وہ بھی برطانیہ کے زیر نگیں ہوتا۔،، یہ کہنے میں وہ کس حد تک حق بجانب تھے؟ وہ خود لکھتے ہیں ''ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل برطانوی افواج نے افغانستان پر چڑھائی کی۔ لیکن چند شہروں پر قبضہ کرکے وھاں بمشکل دوسال تک قیام کر سکیں۔ جب افغانستان کے عوام غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف مسلح اٹھ کھڑے ہوئے تو انھیں اپنی جانیں بچانا مشکل ہو گیا۔ نتیجۃً برطانوی استعمار پسندوں نے افغانستان پر قبضے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور امیر عبدالرحمان کو جو روس چلے گئے تھے، یہ کہلا بھیجا کہ وہ آزاد حکمران کے طور پر افغانستان واپس آسکتے ہیں۔،، (۱۶)

بایں ہمہ افغانی نئی تعلیم کے خلاف نہیں تھے۔ وہ صرف ان طریقوں اور ذرائع کے خلاف تھے جو مغرب پسند مسلمانوں نے اپنے ممالک میں مغربی تعلیم رائج کرنے میں اختیار کئے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں سے تاکیداً کہا کہ وہ مغرب سے نئے علوم سیکھیں لیکن اس نیت سے کہ وہ انھیں اپنے ملک

و ملت، جن کا اپنا مزاج، تہذیب اور روایات ہیں، کی بھلائی اور خدمت میں استعمال کر سکیں ۔ یہ خدمت وہ صرف خود اعتمادی کے جذبہ ھی سے سر انجام دے سکتے ہیں ۔ خود اعتمادی کے بغیر جو نئی تعلیم کا اولین کشتۂ ناز ہے، مسلمان علم کے کسی شعبہ اور شاخ میں ترقی نہیں کر سکتے ۔ نئے آزاد شدہ ممالک میں آج کل جو حالات رونما ہیں اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ افغانی کتنے صحیح تھے ۔ یہ صرف خود اعتمادی ہے جس کی عدم موجودگی نے ان ممالک کے لوگوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں پیچھے دھکیل دیا ہے ۔ بعد میں اقبال بھی ان کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں : ''گزشتہ چار پانچ سال کے تجربہ نے مجھے بے حد افسردہ کردیا ہے ۔ مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے ۔'' (۱۷)

۳ ۔ افغانی اس خیال کے حامل تھے کہ طرز حکومت خواہ جمہوری ہو یا کوئی اور اسے عمرانی انصاف اور دستور پر مبنی ہونا چاہئیے ۔ مصر کے فرمانروا توفیق پاشا سے دوران گفتگو انہوں نے فرمایا ''اگر آپ اس خیر خواہ کے مشورہ کو قبول کرتے ہیں تو جلدی سے عوام کو شوریٰ کے ذریعہ شریک حکومت بنائیں ، قومی نمائندوں کا انتخاب کرائیں تاکہ وہ آپ کے نام پر قانون بنائیں اور آپ کے حکم سے نافذ کریں ۔ عوام کی انتظامیہ میں شراکت سے آپ کا تخت اور اقتدار ہمیشہ قائم رہے گا ۔'' (۱۸) مصری حکمران نے افغانی کے اس مخلصانہ اور دور اندیشی پر مبنی مشورہ کو مسترد کر دیا کیونکہ اس کے خیال میں مصریوں کی اکثریت جو جہلا اور کاہلوں پر مشتمل ہے، اس پوزیشن میں نہیں کہ وہ افغانی کے درس اور آتش نوائی کی متحمل ہو سکے اور اگر اسے حکومت میں شریک کر لیا گیا تو وہ ملک و ملت دونوں کو تباہ کر دیں گے ۔'' (۱۹)

مسلم معاشرے کو آج بھی عمرانی انصاف اور آئین کی ضرورت ہے ۔ طرز حکومت کے بیرونی ڈھانچے سے قطع نظر افغانی صرف یہ چاہتے تھے کہ مسلم دنیا آزاد ہو، اور ان کی دستوری حکومتیں عوام کی فلاح و بہبود کیلئے کام

کریں۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سٹالین نے ایک دفعہ مارشل ٹیٹو سے کہا تھا : 'سوشلزم برطانوی تاج کے نیچے بھی ممکن ہے۔ ہر جگہ انقلاب کی ضرورت نہیں '۔(۲۰) افغانی کے نزدیک سب سے اہم چیز معاشرتی انصاف ہے قطع نظر اس سے کہ اسے کس سیاسی نظام سے حاصل کیا جائے۔ دنیوی امور کے متعلق افغانی کا نقطۂ نظر یہ تھا : ''دنیا میں دو فلسفے کار فرما ہیں۔ ایک یہ ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی ہماری نہیں اور ہمیں صرف ایک بوریا اور چند لقموں پر قناعت کرنی چاہئے۔ دوسرا یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز حسین اور پسندیدہ ہے، یہ ہماری ہے اور ہماری ملکیت ہونی چاہئے۔ موخرالذکر ہمارا مقصود ہونا چاہئے اور اسے بطور ماٹو (Motto) کے اختیار کرنا چاہئے۔ جہاں تک اول الذکر کا تعلق ہے یہ بیکار ہے اور ہمیں ادھر کوئی توجہ نہیں دینی چاہئے۔'' (۲۱)

پان اسلام ازم اور موجودہ دور

جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں کہہ چکے ہیں۔ پان اسلام ازم سے متعلق افغانی کا خواب برطانوی سامراج اور اس کے مشرقی حلیفوں کی شدید مخالفت کی بدولت پریشان ہوگیا۔ سیاسی صورت حال کچھ ایسی تھی کہ عرب اس طرف توجہ دینے کے قابل نہیں تھے کیونکہ وہ عثمانیوں سے اپنے قانونی اور سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد میں مصروف تھے۔ بدقسمتی سے عثمانی عربوں کی مشکلات اور مسائل نہیں سمجھ رہے تھے۔ پہلی جنگ عظیم میں مغربی طاقتوں نے اپنی مقصد براری کے لئے اس صورت حال سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بالآخر حالات عربوں اور ترکوں کے مابین جنگ کی صورت اختیار کر گئے۔ افغانی کے شاگردوں کی پیش گوئی کے مطابق اس جنگ نے اسلامی اور عربی تہذیب و تمدن اور تاریخی اہمیت کے حامل مقامات پر سامراجی طاقتوں کے قبضہ کا راستہ صاف کر دیا۔ فلسطین کی سٹیج پر ڈرامے کا آخری کردار ادا کرنے لئے مغرب نے عربوں کو حریفانہ گرہوں میں تقسیم کر دیا۔

عرب عثمانی سلطنت سے، جس سے پان اسلام ازم کا مفہوم وابستہ تھا، خوش نہیں تھے لیکن ہندوستان کے مسلمان اس نظریہ سے سرشار تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں نے ۱۹۱۷ء میں ترکوں کی حمایت میں جو تحریک خلافت چلائی تھی وہ پان اسلام ازم سے ان کی وابستگی کا اظہار تھا۔ اس تحریک میں عقل کے بجائے جذبات نے بنیادی کردار ادا کیا۔ تاہم اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پان اسلام ازم کا نظریہ ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں کس حد تک گھر کر چکا تھا۔ حتیٰ کہ انڈین نیشنل کانگریس بھی تحریک خلافت کی حمایت کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ جب تحریک کے قائدین محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر انصاری نے گاندھی کو تحریک کی قیادت کی دعوت دی تو ہندو اور مسلم دونوں حیران ہوگئے۔ نومبر ۱۹۱۹ء کو کل ہند خلافت کانفرنس منعقدہ دھلی کی صدارت کرتے ہوئے گاندھی نے کہا: "ایک ایسے معاملہ کے لئے جس کا تعلق صرف اور خالصتاً مسلمانوں سے ہے، ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک ھی سٹیج پر اکٹھے ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔ ہم ہندو مسلم اتحاد کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ یہ ذکر بے معنی ہوگا اگر ہندو ایسے وقت میں جبکہ مسلمانوں کے عزیز ترین مفادات خطرے میں ہیں ان سے تھلک الگ رہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ (مسلمان) اپنے ایک ایسے مقصد کو جو منصفانہ اور متبرک ہے، جلدبازی یا زبان کی تندی سے ضعف نہیں پہنچائیں گے۔

تحریک خلافت میں گاندھی کی شمولیت سے اس بات کو مزید تقویت ملتی ہے کہ پان اسلام ازم کا نظریہ نہ کسی مذہب کے خلاف تھا اور نہ ھی دوسری قوموں سے نفرت پر مبنی تھا۔ یہ اہم نکتہ افغانی کی نظر سے کبھی اوجھل نہیں ہوا۔ برصغیر کے دو عظیم دانشمند اقبال اور آزاد افغانی سے متاثر تھے۔ چوں کہ ہم اس مقالہ کی دوسری قسط پاکستان اور مسلم وحدت میں تفصیل سے برصغیر کے مسلمانوں کی خدمات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اس لئے یہاں ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے کہ ہرچند اقبال اور آزاد

برصغیر کے مسلمانوں پر زور دیتے رہے ہیں کہ وہ عربوں اور عثمانی ترکوں سے عملی ہمدردی کریں ، تا ہم وہ اس بات پر بھی زور دیتے رہے کہ مسلمان اپنے اپنے معاشروں میں مثبت اور تعمیری کردار ادا کریں ۔ تحریک خلافت سے لے کر قیام پاکستان تک مسلمانان ہند مختلف مصائب اور شدید مشکلات سے دوچار رہے ہیں لیکن اتحاد اسلامی کا خیال ان کے دلوں میں برابر پختہ ہوتا گیا ۔

جہاں تک عربوں کا تعلق ہے جب بھی انہیں داخلی مسائل سے فرصت ملی تو انہوں نے اپنی توجہ پہلے عرب اتحاد اور اس کے بعد مسلم اتحاد پر مرکوز رکھی ۔ عرب اتحاد، مسلم اتحاد کا پیش خیمہ اور ایک قدرتی عمل ہے بعینہ جیسے اتحاد اسلامی، اتحاد انسانی کا پیش رو ہے ۔ یوں لگتا ہے جیسے عرب پان اسلام ازم کے معاملہ میں مسلمانان ہند کے مقابلہ میں زیادہ حقیقت پسند واقع ہوئے ہیں ۔ موخرالذکر بالعموم اس نظریہ کی دلفریبی اور رومانیت سے مسحور ہوکر اکثر جذبات کی رو میں بہتے رہے ہیں ۔ اس کے برعکس عربوں نے پہلے اپنے داخلی مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی ہے ۔ جب مرحوم شاہ عبد العزیز نے سعودی عرب میں اپنی حکومت قائم کرلی اور ملک کو بدامنی و لاقانونیت سے نجات دلا کر امن و امان کو بحال کیا تو انہوں نے مسلم اتحاد کی طرف توجہ دینی شروع کی ۔ افغانی نے مسلمانوں کو قرآن مجید کے نام پر اتحاد کی اپیل کی تھی ، ابن سعود نے توحید کے نام پر انہی باتوں پر زور دیا ۔

ابن سعود شاید پہلے شخص تھے جنھوں نے پان اسلام ازم کے روحانی پہلو کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی ۔ اس سے پیشتر پان اسلام ازم ہمیشہ ایک سیاسی نظریہ تصور ہوتا رہا ہے یا کم از کم مسلم مدبرین مسلم وحدت کے اس پہلو کو زیادہ وقعت نہیں دیتے رہے ۔ لیکن ابن سعود نے اس معاملہ پر رائے زنی کرتے ہوئے نظریہ کے اس اہم ترین پہلو کو زیادہ اجاگر کیا ۔

انھوں نے کہا: ''اتحاد اسلامی ھماری روح ھے اور ھمارے لئے سرمایہ افتخار۔ لیکن یہ اتحاد کیسے پیدا ھو اور اس سے مراد کیا ھے ؟ یہ اتحاد مسلمانوں کو اس بات پر متحد کرتا ھے جس پر پوری دنیا کے مسلمانوں کو اتفاق ھے یعنی خدا کی وحدانیت۔ توحید سے فہم و بصیرت کی بنا پر صحیح معنوں میں وابستگی کے سوا اور کوئی چیز انھیں متحد نہیں کر سکتی۔ اتحاد اسلامی نام ھے خدا کی ذات کے صحیح تصور اور معرفت پر مسلمانوں کے اتفاق کا۔ یہ اعلیٰ منصب اور عہدوں پر فائز مسلمانوں کا باھمی اتحاد نہیں۔ اتحاد بین المسلمین جیسا کہ میں سمجھتا ھوں اور جس پر یقین رکھتا ھوں، یہ ھے کہ اللہ جل جلالہ سے محبت ، اس کی وحدانیت پر ایمان کامل اور اس سے مخلصانہ لگاؤ کی بنا پر مسلمانوں کو یکجا کیا جائے ۔(۲۲)

شاہ ابن سعود صحرائی شہ سوار تھے اور عربوں کی اعلےٰ روایات کے صحیح نمائندے ۔ عرب اور مسلم اتحاد کے ضمن میں ان کی خدمات اس امر سے ظاھر ھیں کہ انھوں نے پہلے اپنی پوری قلمرو کا انتظام و انصرام درست کیا اور ایک مضبوط انتظامیہ قائم کرکے اپنے گھر کی اصلاح کی۔ کیونکہ پان اسلام ازم کا یہ اولین اور اھم ترین زینہ ھے۔ انھوں نے صحرا کی سادگی کو اپنایا، قبائلی جمہوریت، مساوات اور نیکی پر ساری عمر عمل پیرا رہ کر ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔ تمام دنیا کے مسلمان ان کے ان اوصاف سے آگاہ تھے۔

عربوں کو قدرت کے اس عظیم عطیے یعنی حقیقت پسندی کا مظاھرہ جمال عبدالناصر کی متحرک ذات میں بھی ھوا جنھوں نے پان عرب ازم کی اس انداز سے تبلیغ کی اور اس پر یوں عمل پیرا ھوئے کہ یہ سب کچھ بالآخر ارادی یا غیر ارادی طور پر پان اسلام ازم کے مفاد کو تقویت دینے پر منتج ھوا۔ ھم ذیل میں ان کے خیالات و آراء کا جائزہ لیں گے اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ وہ کس حد تک افغانی کے خیالات سے مطابقت رکھتے ھیں۔

ناصر شاید پہلے با اختیار عرب لیڈر اور سربراہ مملکت تھے جنھوں نے

شعوری یا غیر شعوری طور پر افغانی کے سیاسی افکار پر عمل کیا۔ دراصل یہ افکار کسی ایسی متحرک اور انقلابی شخصیت کی تلاش میں تھے جو استعماری طاقتوں سے سختی سے نپٹ سکنے کے قابل ہو۔ یہ ایک مشکل کام تھا لیکن قدرت نے ناصر کے لئے یہ کردار متیعن کر رکھا تھا اور حق یہ ہے کہ انھوں نے اس کردار کو خوب نبھایا۔ انھیں خوب علم تھا کہ ان کی منزل مقصود بہت دور ہے۔ انھیں اس بات کا بھی علم تھا کہ اس منزل مراد تک پہنچنے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ عرب سب سے پہلے اپنے ملکوں کے انتظام و انصرام کو درست کریں۔ انھیں یہ پورا احساس تھا کہ اس کے بغیر عرب اتحاد کا خواب ادھورا رہے گا۔ لہذا انھوں نے اپنی توجہ مصر کو انگریزوں کے اقتدار سے آزاد کرانے پر مرکوز کی۔ ساتھ ھی ساتھ انھوں نے مصری معاشرے میں بدعنوانیوں اور نا انصافیوں کی بیخ کنی پر بھی توجہ دی۔ بالآخر ۱۹۵۴ میں انگریز نہر سویز سے انخلا پر راضی ھوگئے۔ علاوہ ازیں ناصر نے خارجہ پالیسی آزاد رکھی اور اسے غیر جانبداری کی روش پر استوار کیا۔ انھوں نے معاھدہ بغداد میں شرکت سے انکار کر دیا کیونکہ یہ انھی طاقتوں کے ایماء پر عمل میں آیا تھا جنھوں نے چند سال پیشتر مسلم اور عرب علاقے ھتھیالئے تھے۔ ایک سال بعد ۱۹۵۵ء میں ناصر نے چیکو سلواکیہ سے اسلحہ خریدنے کا معاھدہ کیا جس سے مغربی طاقتیں چونک پڑیں کیونکہ ابھی تک عرب اور مسلم ممالک کو ھتھیار فراھم کرنے میں ان کی مکمل اجارہ داری تھی۔ ناصر کی بڑھتی ھوئی قوت کو روکنے کے لئے برطانیہ اور امریکہ دریائے نیل پر ھائی ڈیم کے منصوبہ کے لئے قرض دینے کے عہد سے منحرف ھوگئے۔ ناصر نے اس کا بدلہ ۱۹۵۶ء میں نہر سویز کو قومی ملکیت میں لے کر لیا۔ ناصر کے اس اقدام سے جہاں مصریوں میں خود اعتمادی بڑھی اور ان کی امیدیں روشن ھوئیں، وھاں برطانیہ نے ناصر کو اپنے وقار اور مفادات کے لئے ایک زبردست خطرہ سمجھا۔ کیونکہ عرب اتحاد اس وقت تک تو قابل برداشت تھا جب تک وہ کمیونزم کے خلاف تھا لیکن جونہی وہ مغربی استعمار اور

اس کی بالادستی کے خلاف ھوا، وہ ناقابل برداشت ھو گیا۔ نتیجہ کے طور پر برطانیہ نے اپنی حلیف طاقتوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ناصر کے عروج سے مغرب کو ویسا ھی نقصان پہنچے گا جیسا اسلام کے ابتدائی ایام میں پہنچا تھا۔ اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم انتھونی ایڈن نے امریکہ کے صدر آئزن‌ھاور کو ایک خط میں لکھا: ''کیا ھم ان (عربوں) پر یہ اعتماد کر سکتے ھیں کہ وہ جرمنوں سے زیادہ سمجھدار ثابت ھوں گے۔ اگر بعد میں عربوں میں پھوٹ بھی پڑجائے جیسا کہ پہلے خلفاء کے بعد ھوا تو بھی اس اثنا میں کافی نقصان پہنچ چکا ھوگا۔ الغرض ھمیں پورا یقین ھے کہ اگر ناصر کو اٹھارہ اقوام کو ٹھکرانے کی اجازت دیدی گئی تو چند مہینوں ھی میں تیل پیدا کرنے والے ملکوں میں انقلاب آجائے گا اور مغرب مشرق وسطے کے تیل سے ھاتھ دھو بیٹھے گا،،۔(۲۳)

اس طرح ایڈن نے مصر پر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مشترکہ حملے کا جواز ڈھونڈا ۔ یہ بات تعجب خیز ھے کہ اس وقت کے چند عرب اور مسلم لیڈروں نے مسلم عوام کے جذبات کے خلاف برطانوی جارحیت کی نہ صرف حمایت کی بلکہ، جیسا کہ ایڈن کی یاد داشتوں سے ظاھر ھوتا ھے، انگریزوں کو ناصر کے خلاف اقدام کرنے پر اکسایا۔(۲۴) ان واقعات سے اتحاد اسلامی کی راہ میں حائل عملی مشکلات کی مزید نشاندھی ھوتی ھے۔ یہ کہا جا سکتا ھے کہ بعض مسلمان اور عرب رھنماؤں نے اپنے مفادات سے مجبور ھوکر مغرب کے اقدام کی حمایت کی تھی۔ اگر یہ درست ھے تو انھیں یہ معلوم ھونا چاھیئے تھا کہ عرب اتحاد یا مسلمان ممالک کے مابین تعاون نہ تو زبانی جمع خرچ کرنے سے حاصل ھو سکتا ھے نہ اسے وہ لوگ حاصل کر سکتے ھیں جو اپنے عوام کے جذبات کا احترام نہیں کرتے۔

عرب اتحاد کے لئے کوشش کے دوران ناصر نے اس بات کا انتہائی خیال رکھا کہ غیر ضروری طور پر اسلام کا نام نہ لیا جائے۔ دنیا کے تمام مسلم

اور عرب عوام کی حمایت کے علاوہ ناصر کو دوسری حریت پسند اقوام کے عوام کی بھی حمایت حاصل ہوگئی۔ لیکن ناصر کے محتاط رویہ کے باوجود مغربی طاقتیں خاصی ہوشیار نکلیں اور وہ ان کے اصل مقاصد کو بھانپ گئیں ۔ ان کا خیال تھا کہ اتحاد عرب کے لئے ناصر کی سعی نہ صرف مسلمانوں کے اتحاد کا باعث بنے گی بلکہ آخر کار ایشیائی افریقی اتحاد (جو افغانی کی آرزو تھی) کا راستہ صاف کردے گی۔ اپنے عمل کے علاوہ ناصر نے اپنی کتاب 'فلسفہ انقلاب، میں لکھا کہ مصر کے لئے تین حلقے دلچسپی کا باعث ھیں ۔ عرب، افریقی اور اسلامی ۔ ان میں سے کسی حلقہ سے بھی تغافل نہیں برتا جاسکتا ۔(۲۵) ایڈن اور مغربی جریدہ نگاروں نے ناصر کے عمل اور تحریروں کا مطلب پان اسلام ازم لیا ۔ ناصر کے خلاف جارحیت کی حمایت میں ایڈن نے ڈاکٹر مرے (Murray) کا ذیل کا حوالہ دیا ھے :

''اصل خطرہ یہ تھا کہ اگر تحریک کو بلا روک ٹوک پھلنے پھولنے دیا جاتا تو ھمارے خلاف تمام عرب، مسلم، ایشیائی اور مغرب دشمن ریاستیں صف آرا ھو جاتیں جن کی قیادت بظاھر تو مصر کرتا لیکن بباطن زمام کار روس کے ھاتھ میں ھوتی ۔ اور یہ دنیا کی ایک ایسی تقسیم ھوتی جس میں تہذیب کے دشمنوں کی تعداد اس کے حامیوں سے زیادہ ھوتی ۔''(۲۶)

' انڈین ڈیلی ایکسپریس ، کے ایڈیٹر بھی جو بقول مولانا عبدالماجد دریاآبادی ایک سمجھدار اور غیر متعصب غیر مسلم تھے ، ناصر کے ان اسلامی رجحانات پر ناخوش تھے جو موخرالذکر کی کتاب ' فلسفہ انقلاب ، میں نظر آتے ھیں ۔ تاھم انھوں نے عرب اور افریقی امور سے متعلق ناصر کی سیاسی روش کو سراھا ۔(۲۷) اس سے یہ ظاھر ھوتا ھے کہ ناصر کی سوچ کے اسلامی گوشوں سے گو سب لوگ آشنا نہیں تھے تاھم دور بین نگاھوں سے وہ پنہاں بھی نہیں تھے ۔

ناصر عظیم دشواریوں اور مصیبتوں کے باوجود، جن سے وہ اور مصر گزرے،

آخر کار اپنے پروگرام میں کامیاب ہوگئے ۔ مصر کلی طور پر آزاد ہوگیا اور اس نے ہر طرح کے استعماری ہتھکنڈوں اور دباؤ کو مسترد کرکے اپنی عزت و آبرو کو بحال کیا ۔ ناصر نے مغرب کے خلاف اپنے مؤقف پر ڈٹ جانے کی مثال قائم کرکے مشرق وسطیٰ اور عرب ریاستوں میں بھی عزت نفس کا احساس پیدا کیا ۔ ساتھ ھی ساتھ ناصر نے روس کو برطانیہ کی جگہ لینے سے بھی باز رکھا ۔

دوم ۔ معاھدہ بغداد کو بغداد ھی میں دفن کر دیا گیا ۔ عراقی فوج نے شام پر (جو اس وقت سیاسی طور پر مصر سے ملحق تھا) حملہ کرنے کے بجائے جو نوری السعید کی خواھش تھی، بادشاہ کے خلاف بغاوت کرکے ملک پر قبضہ کر لیا اور نوری السعید اور بادشاہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ اس کے بعد ناصر سے اختلافات کے علی‌الرغم عرب فرمانرواؤں نے غیر جانبداری کو اپنی پالیسی بنا لیا ۔

سوم ۔ عرب عوام میں یہ احساس پیدا ھوا کہ انھیں اپنا تاریخی کردار چاھیئے ۔ یہ ناصر اور مصر ھی تھے جنھوں نے ان سب میں خود اعتمادی پیدا کی اور ان کے دلوں میں امید کے دئے جلائے ۔ ایڈن نے جن خدشات کا ۱۹۵۶ میں اظہار کیا تھا کہ مغرب مشرق وسطےٰ کے تیل سے کلیۃً محروم ھو جائے گا، وہ ۱۹۷۳ میں صحیح ثابت ھوئے، جب سب عرب ریاستوں نے خواہ وہ قدامت پسند تھیں یا انقلاب پسند، اسرائیل کے مربی مغربی ممالک کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا کر انھیں تیل دینے سے انکار کر دیا ۔

چہارم ۔ ناصر نے صدیوں کے فرسودہ بدعنوان معاشرتی نظام کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا ۔ انھوں نے عرب اقوام پر زور دیا کہ وہ بھی اپنے سیاسی اور معاشرتی نظاموں پر نظر ثانی کریں ۔ ناصر کی سیاسی زندگی میں بہت نشیب و فراز آئے، انھیں شام اور مصر کے الحاق کا نہایت تلخ تجربہ ھوا اور ان پر عرب ھی کے بعض حلقوں نے سخت تنقید بھی کی، جو بعض اعتبار سے درست بھی تھی، لیکن ان سب باتوں کے باوجود ناصر عربوں میں قومی وحدت کا

احساس پیدا کرنے اور انہیں تاریخی کردار ادا کرنے کا جذبہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔

لیکن مسلم دنیا کی بہترین خدمت جو ناصر نے شعوری یا لاشعوری طور کی ہے یہ ہے کہ بعض سخت غلطیوں کے باوجود انھوں نے عمرانی انصاف اور خود کفالت کے صحیح اسلامی تصور کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں کے دشمنوں اور نادان دوستوں نے سالہا سال سے یہ پروپگنڈا شروع کر رکھا تھا کہ اسلام کے مزاج میں جمود ہے اور جاگیردارانہ نظام کو جو مسلمانوں کے عہد انحطاط کی پیداوار ہے، اسلام کی تائید حاصل ہے۔ ناصر کی معاشرتی سرگرمیوں نے اسلام سے منسوب اس بے بنیاد الزام کو غلط ثابت کردیا۔ ناصر کی سیاسی اور معاشرتی سر گرمیوں سے جو کہ وقت کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ تھیں، یہ بات بھی عیاں ہوگئی کہ عدل پر مبنی اسلام کا عمرانی ضابطہ کسی قسم کی ناروائی اور زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قرآن کی زبان میں یہ ہے کہ انسان کو انسان سے اور بد عنوان معاشرے کی پیدا کردہ رسوبات و توہمات سے نجات دلائی جائے۔ چنانچہ جاگیردارانہ نظام کو توڑ کر اور مظلوم فلاحین کو ان کے زیر کاشت زمین کا مالک قرار دے کر ناصر نے مسلم معاشرے کے سنہری خواب کی صحیح تعبیر کی۔ اس تعبیر کو بعد میں ہر مسلم معاشرے نے قبول کیا۔ خود پاکستان میں زرعی اصلاحات کو شروع میں ناپسند کیا گیا لیکن ۱۹۷۰ میں سیاسی جماعتوں نے جاگیرداری نظام کو ایک معاشرتی برائی کہہ کر صحت مند زرعی اصلاحات کو اپنے نئے منشور میں شامل کر لیا۔(۲۸)

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ناصر نے اپنی خارجہ پالیسی بالکل آزاد اور غیر جانبدار رکھی، جس کے باعث انہیں اور مصر کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ مغرب انہیں ہر قیمت پر تباہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے مصر کو مالی امداد اور قرض دینے کے وعدے سے انحراف کیا، قاہرہ کے

خلاف ۱۹۵۶ میں فوجی کار روائی کی، مصری کپاس کا بائیکاٹ کیا۔ لیکن یہ سب اور اسی قسم کے دوسرے تہدیدی حربے مصر کو غیر جانبدارانہ پالیسی سے باز رکھنے میں ناکام رہے۔ اس نازک وقت میں روس نے مصر کا ساتھ دیا اور اسے امداد کی پیش کش کی جسے ناصر نے گہرے جذبۂ تشکر سے قبول کیا۔ روس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھوں نے کہا: ''مصری لوگ کسی حالت میں بھی خروشیف اور روسی عوام کی مدد کو نہیں بھولیں گے۔'' (۲۹) لیکن اس احساس تشکر کے باوجود ناصر نے خروشیف یا روس کو مصر کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کی کبھی اجازت نہ دی۔ مصری کمیونسٹوں کے خلاف ناصر کے رویہ پر خروشیف کے تبصرے کے جواب میں انھوں نے کہا: ''ہمارے ملک میں کمیونزم کے دفاع میں خروشیف کا بیان عرب عوام کے لئے ناقابل قبول ہے۔ ہم سوویٹ یونین کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیتے۔ ہم نے کبھی ان کے کسی ایک طبقے کی حمایت میں کسی دوسرے طبقے کی مخالفت نہیں کی۔'' (۳۰) گو ناصر روس کے دوست تھے لیکن وہ کمیونزم کو سرمایہ داری کا واحد متبادل نہیں سمجھتے تھے۔ اس نکتہ پر بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا: ''ہم سرمایہ داری اور جاگیرداری کو قبول نہیں کرتے کیونکہ اس طرح ایک اقلیتی طبقے کو حکومت مل جاتی ہے۔ لیکن ہم نے اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ ہمیں مزدوروں کی آمریت بھی جیسا کہ کمیونزم میں ہے، قبول نہیں کیونکہ اس سے بھی ایک چھوٹے گروہ کو بالادستی حاصل ہو جاتی ہے۔(۳۱)

حقیقت یہ ہے کہ ناصر ایک مخلص مسلمان تھے اور وہ ایک ایسی طاقت پر ایمان رکھتے تھے جس کی ساری کائنات پر حکمرانی ہے۔ انھوں نے سنڈے ٹائمز، لندن، کے نمائندے کو ایک ملاقات میں بتایا کہ ان کے لئے کمیونزم قبول کرنا مشکل ہے کیونکہ یہ کائنات کے پیچھے کسی فوق الفطرت طاقت کے وجود سے منکر ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ مصر کی نیشنل اسمبلی کے چیئرمین کی سر کردگی میں عربوں کا ایک وفد روس گیا

جہاں وفد کے ارکان نے خروشیف سے ملاقات کی اور تبادلہ خیالات کیا۔ چند امور پر اختلاف رائے بھی ہوا۔ چنانچہ ایک تقریب میں خروشیف کی تقریر کے جواب میں مصری نیشنل اسمبلی کے چئیرمین نے کہا: ''جہاں تک سرمایہ داری اور کمیونزم کا تعلق ہے ہم اس نظریہ پر یقین نہیں رکھتے کہ انسان کا تاریخی ارتقاء سرمایہ داری سے شروع ہوکر کمیونزم پر ختم ہوگیا۔ کیونکہ ایسے متعدد تاریخی اور روحانی عوامل ہیں جو ارتقاء کے عمل پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ہم سرمایہ داری کو رد کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمارے لئے اب کمیونزم کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہماری قوم ایک ایسا نظام چاہتی ہے جو اس کے تجربات، حالات، خواہشات اور حاجات کے مطابق ہو۔ آخر میں میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ ہمارے باہمی اختلاف رائے کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ ہمیں آپ کا یا آپ کے عقیدہ کا احترام نہیں ہے۔،،(۳۲)

مشرق اور مغرب سے متعلق ناصر کے موقف کی وضاحت کے لئے یہ مثالیں کافی ہیں ۔ وہ غیر جانبداری کو مصر اور عربوں کی بقاء اور استحکام کے لئے اشد ضروری خیال کرتے تھے۔ ساتھ ھی ساتھ ان مثالوں سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ ناصر ایسی جدید جمہوریت کے خلاف تھے جو سرمایہ دارانہ یا کمیونسٹ نظام پر مبنی ہو ۔ ایک صحت مند سیاسی و معاشرتی نظام کی تلاش میں ان کی سعی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دنیوی امور کو روحانی کنٹرول سے علیحدہ رکھنے کے حامی نہیں تھے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ مصری قوم پرستی مکمل طور پر عرب اتحاد اور مسلم تعاون سے ہم آہنگ ہے۔ اپنے انقلاب کے مقاصد بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: ''عمومی پالیسی میں اس کے دو مقاصد ہیں: (ا) مصر کے عوام کی وطنیت مصری نیشلزم ہے۔ (ب) مصر کے عوام کی قومیت عربی اسلامی ہے۔ بلا شبہ ملک کے اندر اول الذکر مقصد کے ماتحت قوم میں جسم کے مختلف اعضاء کی مانند ایک مستحکم تعاون قائم کیا جائے گا۔ مؤخرالذکر مقصد کے پیش نظر مسلمان اور

عرب قومیں ایک مفید انداز سے تعاون کریں گی تاکہ بین اقوامی میدان کارزار میں وہ ایک باعزت اور عالمگیر شخصیت کے طور پر ابھریں۔ ان اقوام کے اتحاد سے مضبوط بنیادوں پر ایک ایسی ناقابل شکست قوت ابھرے گی جو نہ صرف ان کی عزت اور شرافت کی حفاظت کرے گی بلکہ عالمی امن کے لئے بھی کام کرے گی۔،،(۳۳)

واقعہ یہ ھے کہ ترقی پسند عرب ھوں یا قدامت پسند، ان کے نزدیک عرب اتحاد اور مسلم تعاون یا عرب قومیت اور مسلم اتحاد کے مابین کوئی نزاع نہیں ھے۔ انھوں نے انسانی فطرت کے متنوع اظہار پر ایک جیسی توجہ دی ھے۔ نہ وہ اپنے عربی النسل ھونے سے منکر ھیں، نہ بطور مسلم یا عیسائی اپنے مذاھب سے، اور نہ ھی عربی تہذیب سے جس کے سوتے مذھب اور عربی ادب کے چشمۂ صافی سے پھوٹ رہے ھیں۔ اس کے برعکس، کسی قسم کے احساس برتری کے بغیر، وہ اپنی روایات اور کلاسیکی زندگی کے ھر پہلو پر فخر کرتے ھیں۔ مثال کے طور پر ھر عرب کو خواہ وہ شامی ھو یا مصری نجدی ھو یا یمنی ایک ھی خاندان کا فرد ھونے کا شدید احساس ھے حالانکہ ھر ایک اپنے ملک یا قبیلے کی نسبت سے اپنا الگ تشخص برقرار رکھنے پر بھی مصر ھے۔ ان کا یہ نقطہ نظر مذھب کے بارے میں ان کے دلوں میں کوئی انتشار یا کشمکش پیدا نہیں کرتا۔ اور نہ ھی ان کے بلند روحانی مقاصد کے حصول میں رکاوٹ بنتا ھے۔ ایک دفعہ ایک مصری عالم نے کہا تھا : ''ھم مصری، عرب اور مسلمان ھیں۔،، دنیوی اور روحانی اقدار میں ایسی یگانگت پاکستان میں کم دیکھنے میں آئی ھے۔ یہاں بہت سے افراد ابھی تک ایسے قومی ترانوں کو خلاف مذھب سمجھتے ھیں جن میں وطن کی تعریف کی گئی ھو۔ اتاترک کی طرح جن کی قوم پرستی کو اقبال نے 'خود آگاھی' سے تعبیر کیا ھے، ناصر کی قوم پرستی کو بھی خودشناسائی سے موسوم کیا جاسکتا ھے۔ ناصر کا ترانہ ''حریت اور اتحاد،، ھے۔ ان دونوں کی تحصیل خود شناسائی کے بغیر ناممکن ھے۔ ناصر کے رفیق اور جانشین انور سادات بھی خود شناسائی کو مسلم اتحا

کا واحد ذریعہ سمجھتے ھیں۔ اس مسئلہ پر رائے زنی کرتے ھوئے وہ لکھتے ھیں : ''اگر ھم ان کامیابیوں کی بنیاد پر جو انسانی ارتقاء نے تمدن، سائنس، علم، سچائی، عدل اور مساوات کے میدانوں میں حاصل کی ھیں، مسلم اقوام کے مابین اتحاد کا معجزہ دیکھنا چاھتے ھیں تو سب سے پہلے ھمیں مسلمان فرد کے لیے ایسی تہذیب کی تلاش کرنی پڑے گی جس پر وہ ایمان رکھتا ھو۔ جس کے حوالے سے وہ پہچانا جاتا ھو اور جس کے ذریعہ اسے عمل پر ابھارا جاسکتا ھو۔ تب وہ اجتماعی طور پر اس منزل کی جانب رواں ھوگا جس کے لئے انسانیت مصروف پیکار ھے۔ یہی اتحاد کا راستہ ھے۔''(۳۴)

اسی موضوع پر وہ مزید رقم طراز ھیں : ''مذھب، عقیدے اور فلسفۂ زندگی کے اختلاف کے علی‌الرغم ھم ایک نئی دنیا کی تعمیر میں سب اقوام سے اشتراک کرنے کے خواھش مند ھیں۔ لیکن یہ ھم کیسے کرسکتے ھیں ؟ سب سے پہلے ھمیں بطور مسلم اپنی میراث کا علم ھونا چاھئے تاکہ ھم تعمیر نو کا کام علمی اور تاریخی بنیادوں پر استوار کر سکیں۔ لیکن ھمیں مذھبی جنون نہیں، نہ ھم دغاباز اور جھوٹے ھیں کہ ھم یہ دعوے کرتے پھریں کہ خدا نے صرف ھمیں زمین پر اپنا وارث مقرر کرکے یہاں کے باسیوں پر مسلط کیا ھے۔ اس کے برعکس ھم نوع انسانی کو ایک غیر منقسم کل خیال کرتے ھیں۔ ھم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ھیں جنھوں نے ھمارا راستہ متعین کیا ھے۔'' (۳۵) یہ سطور سادات نے ناصر سے متاثر ھوکر لکھیں جب انھوں نے قاھرہ میں ۱۹۵۴ء میں اسلامک لیگ کی تنظیم کا کام شروع کیا تھا۔ ان حوالوں کی روشنی میں یہ بات واضح ھوجاتی ھے کہ قوم پرستی اور اتحاد اسلامی کے ضمن میں ناصر کے خلاف جو کچھ کہا جاتا رھا ھے وہ کس حد تک صداقت پر مبنی ھے ؟ قوم پرستی اور اتحاد کے بارے میں ناصر کا یہ رویہ نیا نہیں تھا۔ انھوں نے یہ خیالات اپنے پیش رووں سے لئے تھے جو مصر کے مفاد کے لئے کام کرتے رھے ھیں۔ مثال کے طور پر مصطفیٰ کامل نے جنھیں مصر کا بابائے وطن کہا جاتا ھے، مصر کی آزادی کے لئے جدوجہد

کے علاوہ مسلم اتحاد کے لئے بھی کام کیا اور مغربی مصنفین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے ان کا جواب بھی دیا۔ ان کے خیال میں نیشنلزم اور مذھب لازم و ملزوم ھیں۔ ان کی رائے تھی کہ کوئی شخص دیندار نہیں ھوسکتا جب تک کہ وہ وطن سے محبت نہ کرے۔ اسی طرح نیشنلزم بھی مذھب کے بغیر بے معنی ھے۔ ان کی وطن دوستی اور مسلم اتحاد کی خواھش ھم قدم تھیں۔ نیشنلزم اور مذھب کے موضوع پر وہ لکھتے ھیں: ''بعض لوگ یہ کہہ سکتے ھیں کہ مذھب قومیت کے خلاف جاتا ھے۔ یا دعوت دین کا قومیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ میرا خیال ھے کہ قومیت اور مذھب توام ھیں ایک دوسرے کی ضد نہیں۔ جس کے دل پر مذھب کا غلبہ ھے وھی اپنے ملک سے پرخلوص محبت کرتا ھے اور اس کی خاطر وہ اپنی جان اور سب کچھ قربان کر دیتا ھے۔''(۳۶) مصری قوم کے متعلق وہ لکھتے ھیں: ''مسلمان اور عیسائی دونوں ایک قوم ھیں جو قومیت، رسم و رواج، معاشرتی اخلاقی اقدار اور روزی کے ذرایع کے رشتے میں باھم منسلک ھیں۔ ابد تک وہ ایک دوسرے کے علیحدہ نہیں ھوسکتے۔''(۳۷) اپنی قومی سر گرمیوں کے علاوہ انھوں نے مشرق و مغرب کی اقوام کو بھی اتحاد کی تلقین کی۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے ایک ھفتہ وار جریدہ بھی جاری کیا جس کا نام 'العالم الاسلامی' تھا۔ انھوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنی معاشرتی زندگی میں شریعت پر عمل پیرا ھوں اور جاھلیت، پس ماندگی اور بے عملی کی موجودہ دلدل سے باھر نکلیں۔

چند لوگوں نے کامل کی زندگی کے اس پہلو کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ ان کے اعتراضات کے جواب میں کامل نے کہا: ''ھمارے دشمن یہ بھی کہتے ھیں کہ ھم اسلام کو قومیت سے خلط ملط کرتے ھیں۔ اور ھم ھر وقت مسلمانوں کی باتیں کرتے ھیں اور دینی تعلیم کا تقاضا کرتے ھیں۔ انھوں نے ھمارے اس مطالبے کو مذموم اور مذھبی جنون پر محمول کیا ھے لیکن اگر ایک انگریز بیک وقت پراٹسٹنٹ اور قوم پرست ھوسکتا ھے تو ایک

مصری مسلمان بیک وقت قوم پرست اور مسلمان کیوں نہیں ہو سکتا ؟ کیا سچی اور صحت مند قوم پرستی اس وقت تک پنپ نہیں سکتی جب تک کہ وہ مذھب اور دینی محبت کو کچل نہ دے؟ لاریب واضح حقیقت یہ ھے کہ قومیت اور مذھب میں مکمل یگانگت ھے* - سچی بات یہ ھے کہ مذھب کے بغیر قومی ترقی اور تعمیر نو ناممکن ھے۔ معاشرے میں (غلط) مذھب کے روپ میں جو فتنے اور برائیاں ابھری ھیں انھیں ختم کرنے کے لئے مذھب کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ۔،،(۳۸)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ھو جاتی ھے کہ مصطفیٰ کامل کس خلوص سے افغانی کے 'العروۃ الوثقیٰ' کی پالیسی پر کاربند تھے۔ محمد عبدہ نے تو بعض وجوہ کی بنا پر لارڈ کرومر سے سمجھوتہ کر لیا تھا لیکن مصطفیٰ کامل نے آزادی مصر اور مسلم اتحاد کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اس لحاظ سے وہ عبدہ کے مقابلہ میں افغانی کے مقاصد سے زیادہ وفادار رھے۔ کہا جاتا ھے کہ جب عبدہ نے اپنے عہدہ پر فائز رھنے کو ترجیح دی تو کامل ان کے اس رویہ سے بہت ناخوش تھے۔ ایک دفعہ کامل نے یہ تبصرہ کیا : ،،اگر وہ مستعفی ھوجاتے تو ان کا اثر و رسوخ بڑھ جاتا ۔،،(۳۹) یہ ستم ظریفی ھے کہ عبدہ نے لارڈ کرومر سے اچھے تعلقات کی وجہ سے ان سنہری ایام کو یک قلم فراموش کر دیا جو انھوں نے افغانی کی معیت میں بسر کئے تھے۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ انھوں نے اپنے روحانی پیشوا اور فلسفی کی وفات پر ایک لفظ تک نہ لکھا ۔،، یہ بے وفائی ان بد اثرات میں سے ھے جو غیر ملکی قبضہ کسی قوم کے اخلاق اور اذھان پر چھوڑتا رھے۔،، (۴۰) مصطفیٰ کامل نے برطانوی نو آبادیات کے زوال کی پیش گوئی کی تھی اور خواھش

---

* یہاں پر بجا طور پر کہا جا سکتا ھے کہ ترکی یا عرب دنیا میں قوم پرستی اور مذھب میں جو صلح نظر آرھی ھے، اس کی وجہ یہ ھے کہ یہ علاقے ھمیشہ مسلم اکثریت کے علاقے رھے ھیں۔ یہاں پر مسلمانوں کو اپنی روایات اور تہذیبی قدروں کے ضیاع کا خطرہ لاحق نہیں ھوا، مسلم اقلیت کے علاقوں میں صورت حال دوسری تھی۔

کی تھی کہ اس زوال کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں ۔ ان خیالات کی روشنی میں یہ استنباط غلط نہیں ہوگا کہ ناصر مصطفیٰ کامل کے نقش قدم پر چلے ۔ لہذا اس حوالے سے انہیں افغانی کا جانشین کہا جاسکتا ہے ۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے جمہوریت کا تجربہ کرنے میں غلطیاں کیں ۔ اور شاید انہیں وقت نہیں ملا کہ وہ اپنی حکومت پر سے ایک پولیس سٹیٹ قائم کرنے کے الزام کو دھو سکیں ۔ علاوہ ازیں وہ متعدد مقامات پر افغانی کے مجوزہ سیاسی راستہ سے ہٹ بھی گئے تھے ۔ مثلاً انہوں نے شامی لیڈروں سے مل کر مصر اور شام کا ایک مضبوط الحاق قائم کیا ۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ افغانی کی رائے میں مسلمان ریاستوں کا اتحاد ایک کنفیڈریشن کی صورت میں ہونا چاہیے، لیکن ناصر نے اس کے بجائے ایک مضبوط مرکز کے ماتحت دونوں ملکوں کا ادغام کردیا اور مصر کی طرح شام میں بھی انقلابی اصلاحات نافذ کر دیں ۔ مصر میں تو لوگوں نے اصلاحات کو قبول کر لیا تھا لیکن شام میں متعدد حلقوں کی طرف سے ان کی مخالفت ہوئی ۔ نتیجۃً شام میں فوج نے اقتدار سنبھال لیا ۔ اور نئی حکومت نے متحدہ عرب جمہوریہ میں ایک نئے نظام حکومت کے تحت رہنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن ناصر نے اس شرط کو رد کر دیا ۔ یہ ناصر کی سیاسی غلطی تھی جس سے عرب اتحاد کے مفاد پر ضرب کاری پڑی ۔ بعد میں ناصر کو بھی اس غلطی کا احساس ہوا ۔ لیکن انہوں نے اس صدمے کو متانت اور وقار سے برداشت کیا ۔ تاہم وہ اپنے ملک اور عربوں میں ایک تازہ ولولہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے ۔ ان کی عظمت بزور شمشیر اقتدار حاصل کرنے میں مضمر نہیں بلکہ اس حقیقت میں ہے کہ انہوں نے مصری معاشرے کی تشکیل نو کی اور عرب اتحاد کے تصور کو ایک نیا پہلو عطا کیا ۔ انہوں نے اپنی جدوجہد کو مصر تک محدود نہیں رکھا جو لطفی سید کی خواہش تھی ۔ سید نے اپنے ہم‌وطنوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور مسلم یا عرب اتحاد سے کوئی امید وابستہ نہ رکھیں ۔ یقیناً حالات نے سید کو یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کیا ہوگا ۔

یہی روش سرسید احمد نے ہند میں اختیار کی تھی۔ ان دنوں شاید ہر ملک کے لئے یہی موزوں راستہ تھا کہ وہ صرف اپنے ہی حالات کا نگراں ہو۔ لیکن ناصر نے مصر کی تاریخ بدل ڈالی۔ ۱۹۵۶ء کے مصر کے آئین میں یہ پہلی بار اعلان کیا گیا کہ مصر ایک عرب ملک ہے، یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ برطانوی حکومت سے شریف حسین نے اپنی خط و کتابت میں مصر کو عرب دنیا کا حصہ شمار نہیں کیا ۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ انگریزوں کے زیر سایہ جو عظیم عرب سلطنت قائم کی جائے وہ حجاز، نجد، یمن اور عراق کے بعض علاقوں پر مشتمل ہو، بہر حال یہ ناصر ہی تھے جنھوں نے عرب اور مسلم اتحاد کی نئی عالمگیر تعبیر کی۔ مصر کی عظمت رفتہ کا بار بار تذکرہ اور اس پر فخر کے اظہار کو بعض دانشوروں نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا اور اس کی شدید مخالفت بھی کی۔ وہ ان قوتوں سے جا ملے جن کے نزدیک مذہب اور وطنیت لازم و ملزوم ہیں۔ ناصر کا کردار مزید روشن نظر آتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اتحاد اسلامی کے تصور کو بعض لوگ رجعت پسند طاقتوں سے منسوب کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ تصور نفرت اور مذہبی جنون کی پیداوار تھا۔(۴۱) شاید اس رائے کی تشکیل میں پان اسلام ازم کے تصور سے مغرب کی مخاصمت کا بہت ہاتھ ہے۔ حقیقت میں اتحاد اسلامی کے تصور کو اس نیشلزم کا قدرتی نتیجہ سمجھنا چاہیے جس میں مذہب ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

مآخذ

۱ - Pan-Anglican Papers; "The Mohammedan Propaganda with Special Reference to Panislamism," published by Society for Promoting Christian knowledge, London 1908 p. 2.

۲ - ایضاً، ص ۳

۲ - (الف) Livingstone, R.W., Plato, Oxford, 1960, (Introduction IX)

۳ - محمد پاشا المخزومی : خاطرات جمال الدین الافغانی، دمشق ۱۹۶۵ - ص ۴۸

۴ - العروۃ الوثقی، قاہرہ ۱۹۵۷ء ، ۲۲

۵ - ایضاً ، ص ۴۳

۶ - عبداللطیف حمزہ : الصحافة المصریہ فی مائة عام، قاھرہ صفحات : ۴۹ - ۵۰، - ۵۹ - ۶۲

۷ - قدوری، افغانی اور عبدہ - لندن، ۱۹۶۶ ص ۱۵

۸ - العروہ، ص ۳۶۴ - ۳۶۵

۹ - شکیب ارسلان : حاضر العالم الاسلامی، قاھرہ، ۱۳۵۲، جلد دوم، ص ۲۹۹

۱۰ - العروہ، ص ۲۹، دیباچہ، ۳۱ - ۳۳، ۴۲

۱۰ - (اے) صفحات مطویہ، قاھرہ، ۱۹۴۶ ص ۹۹ - ۱۰۱

۱۱ - مقالات افغانی، حیدرآباد، ۱۹۴۴ ص ۴۱ - ۴۳
اردو ترجمہ از سید مبارزالدین رفعت

۱۲ - ایضاً، ص ۴۳ - ۴۵

۱۳ - ایضاً، ص ۴۶

۱۴ - ایضاً، ص ۸۱

۱۵ - العروہ، ص ۱۸ - ۱۹

۱۶ - ایضاً، ص ۳۶۴

۱۷ - اقبال نامہ، جلد دوم صفحہ، ۵۸ (شیخ عطاء اللہ)

۱۸ - خاطرات، ص ۲۱

۱۹ - ایضاً،

۲۰ - Djilas, My Conversation with Stalin, London, P. 1962, 90.

۲۱ - افغانی اور عبدہ، ص ۱۴

۲۲ - عبد الحمید الخطیب، العید الذھبی، ۱۹۵۰، ص ۶۷

۲۳ - The Memoirs, London 1960, P. 446 (Full Circle)

۲۴ - ایضاً

۲۵ - ص ۱۰۲ (عربی ایڈیشن مقدمہ از کمال الدین حسین)

۲۶ - The Memoirs P. 548,

۲۷ - صدق، ص ۲ (یکم جنوری ۱۹۶۵)

٢٨ - منشور جماعت اسلامی، لاہور ١٩٧٠ ص ٢٣ - نیز ملاحظہ ہو مسئلہ ملکیت زمین، (سید ابوالاعلیٰ مودودی) لاہور، ١٩٥٠، دوسری سیاسی جماعتوں کے منشور بھی ملاحظہ کیجیئے

٢٩ - Peter Mansfield : Nasser's Egypt, London 1959, p. 107

٣٠ - ایضاً، ١٠٨

٣١ - ایضاً، ١٠٩

٣٢ - داؤد عطیہ عبدہ، منہاج فی تعلیم اللغةالعربیہ، بیروت، ١٩٦٤، ص ١٣٠

٣٣ - المصور، قاہرہ اگست ١٩٥٥، ص ١٥، (خاص نمبر عالم اسلامی)

٣٤ - نحو بعث جدید، قاہرہ، ص ٣٢

٣٥ - ایضاً، ص ٥٨

٣٦ - عبدالرحمن الرافعی :مصطفیٰ کامل ، قاہرہ ١٩٦٢، ص ١٣٨،

٣٧ - ایضاً، ص ٣٣٨

٣٨ - ایضاً، ٥١٠

٣٩ - Blunt, W.S. My Diaries, London 1919 Vol. 2 p. 157

٤٠ - عبد الرحمن الرافعی : الشورہ العربیہ، قاہرہ، ص ١٣٣

٤١ - Encyclopaedia (Russian), Vol. 32, Art, Islamic League (Sec. ed)
بحوالہ محمد حسین الصاغر، در الشیوعیة مبدأ ہدام، بغداد ١٩٦٠، ص ١١٨

* * *